باب ۲

نیازِ بے نیاز

تاریخی پس منظر

چودھویں صدی کی بابت مختلف مذاب کی تقریباً ایک جیسی روایات ہیں۔ کچھ اس زمانہ کو 'کَل جُگ' تاریک زمانہ کہتے ہیں اور کچھ اسکو آخری زمانہ بتاتے ہیں۔ اس لئے کہ عام رجحانِ خلق بہ ظاہر مذہب سے ہٹا ہوا ہے اور عوامُ الن۔ ّاس تک کا یہی خیال ہے کہ دنیاوی زندگی کی تمام آلائشوں نے بلائے آسمانی بنکر انسانیت کو جکڑ رکھا ہے' جس کا لازمی نتیجہ عذابِ الٰہی کی شکل میں رونما ہو گا۔

اس میں شک نہیں کہ اس صدی کا ظاہر خول ہی خول رہ گیا ہے اور اسلام جو دین مُبین تھا اور دنیا کے لئے روشنی بن کر آیا تھا، آج ایک ماضی کی یاد بن کر رہ گیا ہے۔ ظاہر دار مذہب پرستوں کا یہ حال سب پر ظاہر ہے کہ وہ مذہب کا مقدّس لباس اوڑھ کر دراصل اپنی انا کی پرستش میں لگے ہوئے ہیں۔

دیکھنے والی آنکھوں نے صدیوں پہلے دیکھ لیا تھا کہ کن نقشوں کے تحت حیاتِ انسانی رواں ہے اور چودھویں صدی تک دنیا کے ہر گوشہ کا کیا نقشہ ہو جائے گا۔ ان خیالات نے گذشتہ چند صدیوں میں اتنی وُسعت اختیار کر لی ہے کہ بیشتر تعداد بنی نوع کی یہ یقین رکھتی ہے کہ اس دور میں دنیا پر بڑی تباہیاں آئینگی۔ چنانچہ کئی سو سال پہلے بزرگانِ دین بھی یہی کہتے چلے آرہے تھے اور موجودہ زمانہ کے مجذُوبین نے بھی یہی خبر دینا شروع کر دی تھی کہ تباہی آنے والی ہے۔ دنیا کے مختلف ممالک کے نجومیوں نے ستاروں اور سیّاروں کا حسب لگا کر متفقہ طور پر ی بھی بتا دیا تھا کہ ۴ فروری ۱۹۶۲ء کو سورج گرھن ہو گا' آٹھ سیّارے ایک ہی بُرج میں جمع ہو جائینگے جیسا کہ چھ ہزار سال قبل مہابھارت کے وقت ہوا تھا اور اسکے علاوہ یہ سیّارے ایک لائن میں بھی ہونگے جیسا کہ پچیس سال قبل طُوفانِ نُوحؑ کے وقت ہوا تھا۔ گویا تمام ظاہری اور باطنی نظامِ حیات اس بلائے عظیم کا منتظر تھا جو دنیا پر آنے والی تھی۔ یہی کچھ نوشہء تقدیر تھا اور یہی لوحِ محفوظ کا لکھا تھا کہ دنیا کی آبادی کے سات میں سے ایک بچے' اور وہ بھی اس لئے کہ پھر سے حق کا بول بالا ہو اور اس امّت کا' جس کو بہترین امّت فرمادیا ہے' پھر سے علم بلند ہو۔

کون اندازہ لگا سکتا ہے اس تباہی کا جس کی لپیٹ میں پوری دنیا کی دنیا ہو۔ اس گردش میں تو اچھے' بُرے سب ہی پس جاتے ہیں۔ اس کے تصوّر سے رُئواں رُئواں کانپ اٹھتا ہے کہ اس تباہی اور مکمل تباہی کی چکّی میں پسنے کے بعد ہی صدیوں کی سوئی ہوئی باطنی قوتیں بیدار ہو سکتی ہیں اور پھر سے حیاتِ انسانی کو صحیح رُخ عطا ہو سکتا ہے' تاکہ انسان حق کی طرف متوجہ ہو۔ یہ تو ہے قضائے مُبرّم' نوِشتہء تقدیر' لوحِ محفوظ کی بات۔ لیکن رحمتً لِّلعالمین

کی شان کچھ اور ہوا کرتی ہے۔ یہ لوحِ محفوظ سے بھی اوپر کی بات ہے' یہ معراج کا راز ہے۔

تمام قوموں کی مقدّس کتابوں میں یہ ذکر ہے کہ قہر و غضبِ الٰہی کو ٹھنڈا کرنے اور رحم و کرم کے طلب گار ہونے کے لئے بڑے بڑے پیمانوں پر نذر اور نیازیں پیش کی گئی ہیں اور قربانیاں دی گئی ہیں۔ یہ طریقہ زمانہء قدیم سے چلا آرہا ہے گو اس کا نفاذ صرف انفرادی زندگیوں تک محدود ہو کر رہ گیا ہے۔ مومنین کی بات دوسری ہے وہ بلائیں ٹلنے نہ ٹلنے کے لئے اتنے فکر مند نہیں ہوا کرتے جتنے کہ یار کو منانے کے لئے۔ یہ امّت کی خاطر ہوا کرتا ہے' اور یہ رَحْمَتَہ لِّلعَالَمِیْن کی لاج کا سوال ہوتا ہے۔ تَصَرُّفِ رَحْمَتَہ لِّلعَالَمِیْن ہی سے ۱۵ دسمبر ۱۹۶۱ء کو پشاور کی سرزمین کو ایک مرکز' ایک نشان بنا کر نیازِ بے نیاز پیش کی گئی جس کا ذکر ذیل میں درج ہے۔ اس نیاز کی اہمیّت تو باطن میں رسائی رکھنے والوں پر ۱۵ دسمبر ۱۹۶۱ء کے بعد ہی ظاہر ہو چکی تھی البتہ ظاہر بیں آنکھوں کو یہ نقشے اس وقت ظاہر ہونگے جو مختلف ابتلائوں میں سے محفوظ گذرنے کے بعد تقریباً چالیس سال یا زائد کے عرصے میں دینِ مُبین پھر سے اَلْیَومَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ کے نیزہ پر بلند ہو گا۔

مرکزِ رحمت

تاریخ شاہد ہے کہ جب کبھی سوئی ہوئی حقّانی قوّتوں کو انسان میں بیدار کیا گیا ہے تو تازیانہء قضا و قدر کو حق نے استعمال کیا ہے کہ اس کے اپنے اس کی رحمت کے طالب ہو کر اس کی طرف لوٹیں۔ بہ ظاہر جلالی طاقتیں اس لئے چھوڑ دی جاتی ہیں کہ رحمت کو اپنی طرف رجوع کرنے کے لئے اُخوّت کے رشتہ میں بندھ کر قدّوسی جماعت' ایک مرکز پر جمع ہو جائے اور اپنی عاجزی سے رحمت کو اپنے اندر سمو لے۔

دنیا کی تاریخ کو دیکھئے بڑے بڑے مشاہیر عالم' دانستہ یا نادانستہ طور پر اسی راہ میں کوشاں رہے' اور اسی راہ میں کام آئے کہ حق کا بول بالا رہے۔ پیغمبروں کی امّتوں کے ورق گردانئے تو یہی بات واضح ہو گی کہ تمام کی تمام مشیَّتِ حق یہی رہی ہے کہ اِنَّالِلّٰہِ وَاِنَّااِلَیہِ رَاجِعُوْن (ہم اسی کے ہیں' اس کی جانب رجوع ہیں) کی تکمیل کسی صورت ہوتی رہے۔

تمہیں حق کی کیا تلاش ہو گی جو خود حق کو تمہاری تلاش ہے۔ طُوفانِ نُوحؑ بھی آیا مگر اپنوں کو بچا لیا گیا تا کہ جس حق و باطل کی معرکہ آرائی کے لئے اس دنیا میں انسان کو بھیجا گیا تھا' اس کا سلسلہ منقطع نہ ہو۔ یاد کرو وہ رات جب ایک مٹھی بھر جماعت کا سردار سربسجود تھا کہ اگر یہ مٹھی بھر

جماعت مٹ گئی تو تیرا نام لینے والا دنیا میں کون رہے گا اور پھر وہ دن جب ۳۱۳ کی مختصر جماعت کو کثرت پر غالب کر دیا گیا۔ پھر حُسینؑ نے معہ اپنے تمام قافلہ کے سر دیا کہ ذبحِ عظیم قبول ہو اور رُوحِ کربلائی مردہ جانداروں کی رُوحوں میں سما کر ملّت کے نخل کی آبیاری تا قیامت کرتی رہے۔

معراج، آخر وہ کیا راز تھا کہ مکمّل قرب ہو جانے کے وقت بھی نہ ہوش گئے نہ معشوق حقیقی سے مل کر مدہوشی طاری ہوئی بلکہ اِدھر سے اُمتی امتّی اور اُدھر سے بخش دی کی صدا بلند ہوئی۔ لَوْلَاکَ مَاخُلِقَتْ (اگر تم نہ ہوتے تو میں کائنات کی تخلیق نہ کرتا) جس کے لئے ساری کائنات بنائی گئی ہو جو رَحْمَۃٌ لِّلْعَالَمِیْن کے لقب سے نوازا جائے جس پر اللہ اور اس کے فرشتے درود بھیجیں اور مومنین کو جس پر درود بھیجنے کا حکم ہو وہ اپنی انفرادی حیثیت کا تصوّر بھی کیسے کر سکتا ہے۔ وہ نہ صرف رحمتِ عالم ہے بلکہ خود عالمین اس سے ہیں اسی میں ہیں۔ خوش نصیبی ہے کہ اس کا علم چودھویں صدی میں بھی بلند ہے' اور تا ابد رہے گا۔ وہ صاحبِ تاج و معراج وبُراق و عَلم، خود زندگی کی تابندگی میں ایک سلسلہء جاریہ کی طرح پابند ہے اسی کے طفیل بلا' وبا' قحط' و مرض' والم دفع ہوتے ہیں۔ بات اتنی سی سمجھ لیں کہ محمدؐ ہم میں موجود ہیں تو پھر سرمایہء حیات 'کُنْتُ کَنْزاً مَخْفِیاً سے علیحدہ معلوم نہ ہو گا۔

چودھویں صدی اور اس کا رجحانِ شیطنت عبد کو معبود سے جدا کرنے کا سامان بن گیا ہے۔ مگر محبّتِ عظیم خود بے تاب ہے کہ اپنے گم گشتہء منزل کو پھر سے راہ دکھائے۔ ایک طرف جلالی شان کا مظہر ہے کہ ہر ہست کو نیست کر دینے پر آمادہ ہے اور دوسری طرف رحمتِ عالم کی کملی پھیلی ہے کہ جو بھی اس میں آجائے امان میں رہے۔ جلالِ اور جمال اپنی آب و تاب سے مقابل میں صفر آرا ہیں اور وہ بے نیاز ہے۔ اَللّٰہُ اَحَدُ اللّٰہُ الصَّمَدُ۔

اسلام کے نام لیوائوں کا یہ حال ہے کہ جیسے جذام میں مبتلا ہیں۔ یہاں تک کہ ہڈیاں بھی گل چکی ہیں۔ لیکن ہیں نام لیوا کس کے؟ ہیں کس کی امّت؟ خواہ نام کے لئے ہی ہوں۔ وہی سبق جو معراج کے واقعہ سے رحمتِ عالم نے دیا۔ اب کوئی اٹھے تو اُمّت کا بیڑا پار ہے۔ ایسے افراد اور ایسی جماعت جو رحمانی قوتوں کو اپنے اندر جذب کر لیں' مرکزِ رحمت بن سکتے ہیں۔ یہ جماعت یا فرد ہی ہو سکتا ہے جو اَنَا اُمتی کہہ سکے اور جس کی جان جانِ امّت ہو۔ یہی نسبتِ مُحمّدیؐ والی ہستی ہو گی۔ اسی میں مُحمّدؐ جلوہ گر ہونگے اور یہی محمدؐ سے ہو گا کہ فرمایا تھا حُسینؑ مجھ سے ہے اور میں حسینؑ سے۔ یہ مقامِ محمدیؐ والا عبد ہی عبد اللہ ہو سکتا ہے۔

نیازِ بے نیاز کیا ہے؟ ایک نیاز مندی۔ ہر فرد کی طرف سے نہیں بلکہ صاحبِ مقام 'اَنَا اُمتیکی طرف س اور محمدیؐ وسیلے سے رحمتِ عالم ہی جلال کو ٹھنڈا کر سکتی ہے' وگرنہ جلال وہ آگ ہے کہ انفرادی حیثیت سے اگر اولیاء بھی سامنے آئیں تو جل کر ختم ہو جائیں۔ جماعت کی برکت کے کیا کہنے۔ قربان جائیں اس زندہ جاوید محمدؐ کے جس نے عبودیّت کا راستہ سکھایا جس نے انسان کو اس کی انفرادیت کے محدود دائرہ سے نکال کر 'اُمّت کی وسعت میں لا ملایا۔ کہ اس کا سونا جاگنا، اس کی زندگی، اس کی قسمت' امّت کے بے پایاں سمندر میں گھل مل جائے اور وہ بخش و نجات کے چکر سے نکل کر عبدیّتِ کامل' مقام محمود تک پہنچ جائے۔ رحمتِ عالم کی کمی کے سایہ میں ہونا ایسا ہی جماعت کے لئے کہا گیا ہے جو لَاخَوْفٌ عَلَیْہِمْ وَلَا ہُمْ یَحْزَنُون کے حصار میں ہو۔ پھر ایسی جماعت جاذبِ رحمت کیونکر نہ ہو' اور اس کی نیاز مندی کیوں کر قبول نہ ہو۔

نیاز کا طریقہ ' غریبوں' مسکینوں' قیدیوں' معذوروں کو کھانا کھلانا اس کی ربُوبیّت کے اظہار کا بہترین طریقہ ہے۔ عبد اور معبود کا تعلق قائم رکھنے کی کڑی ہے۔ بھوکا پیٹ بھر جانا وہ تسکین کُن بات ہے جو دُعا کے عین مترادف ہے۔ نہ اس کے لئے الفاظ کی ضرورت ہے نہ شکریہ کی۔ شُکر بالاخر اسی رب کا ہوتا ہے جو شہ رگ سے بھی قریب ہے' اور جو اس خاموش ذریعہء تشکّر و سکون سے مسرور ہوتا ہے۔ یہی سچا تشکّر ہے۔ اس لئے کہ انسان جھوٹ بول سکتا ہے لیکن پیٹ جھوٹ نہیں بول سکتا۔ یہی ذریعہء تشکّر جلال کی آگ کو ٹھنڈا کر دیتا ہے۔

جب انفرادی زندگیوں میں اس طریقہ کو مُستحسن بتایا گیا ہے' تو اجتماعی حیثیت سے اس کی بے بہائی کا کون اندازہ لگا سکتا ہے۔ اور خصوصاً اسوقت جب کہ اُمّت کا سوال ہو اور سوال پیش کرنے والا روحِ مُحمدیؐ کے تصرّف میں ہو۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی دافع بلاء و قحط و مرض و الم ہیں۔

بشارتیں

بشارت میں پہلے سے دکھلا دیا گیا کہ ایک سُرخ رنگ چالیس سالہ ہیکل عورت سامنے سے آتی ہے لیکن حق کو سامنے دیکھ کر پھر واپس چلی جاتی ہے۔ جَاءَ الْحَقُّ وَزَہَقَ الْبَاطِلُ اِنَّا الْبَاطِلَ کَانَ زَھُوْقًا۔ (حق آیا باطل گیا باطل دفع ہونے والا ہی ہوا کرتا ہے)۔

یہ بلا واپس جاتی ہے تو نظر آتی ہے کہ اس کی چھاتیاں اسکے کاندھوں کے پیچھے پیٹھ پر پڑی ہیں۔ یعنی رَبُوبِیّت اس کے پیچھے ہے۔

ایک اور صاحب نے دیکھا کہ جنگ کا ساسماں ہے لیکن کچھ لوگ ایک جگہ جمع ہو کر ذکرِ حق میں مشغول ہیں اور ان کے گرد کچھ سرخ پوش بیوگل والے لوگ فرشتوں کی طرح حفاظت کے لئے کھڑے ہیں۔

کسی نے دیکھا کہ تاریک بادل یکایک آتے ہیں۔ لیکن کچھ عرصہ بعد رحمت کی بارش ہونے لگتی ہے گویا طرح طرح سے اپنے بندے کو تسکین دی کہ نااُمید نہ ہو رحمت ضرور آئے گی۔ وہ فکر مند تھا کہ تقدیر کا لکھا کچھ اور تھا۔ آمرین حق اس کے منتظر تھے اور سالکین اپنے کو بے بس سمجھ کر راضی بہ رضا تھے۔ اور عوام اپنے اس تخیل میں مست کہ

موت ہے اس قدر قریں مجھے نہ آئے گا یقیں'

یوں ہر بادی سے انفرادی طور پر اللہ کے بندوں میں سے ایک بھی نہیں ڈرتا۔ وہ بھی بے نیاز ہوتے ہیں لیکن یہ اُمّت کا سوال تھا۔ یہ مٹھی بھر جماعت کی بربادی کا سوال تھا۔ رحمتِ محمدیؐ کو جوش میں آنا ہی تھا۔ عالم امر سے ایک اور اُونچا مقام بھی تھا جہاں لوحِ محفوظ کے لکھے کو بدلا جا سکتا تھا۔ یہ وہی سمجھ سکتا ہے جس کے ہاتھ میں مُحمّد صلی اللہ علیہ وسلم کا دامن ہو۔ خیالی طور پر نہیں بلکہ اتنا اپنا لیا گیا ہو کہ اس کا مصداق ہو کہ حسینؑ مجھ سے ہے اور میں حسینؑ سے۔

جمعہ ۶ رجب ۱۳۸۱ھ ۱۵ دسمبر ۱۹۶۱ء ایک یادگار دن ہے اُمّت کے لئے اور خصوصاً اس خطہ کے لئے جس کی حیا کو' تہذیب کی دسترس سے بچا کر' پہاڑوں کے دامن نے صدیوں تک حجاب میں رکھا ہے' کہ اسکی پاکیزہ صورت کی رُونمائی اس وقت ہو' جب منشائے قدرت اپنی محبُوبیّت کے لئے اس کو منتخب کرے۔

غیبی امداد

اُمّت کے درد رکھنے والوں کی بے قراری کو دیکھ کر خود رحمت عالم نے فرمایا کہ ''آنے والی گردش ایام سے کیوں متفکر ہوتے ہو۔ دس ہزار غریبوں' یتیموں' معذوروں قیدیوں کو کھانا کھلاؤ'' دل نے گواہی دی کہ ان میں سے ایک ایک کا دس ہزار گنا اجر وہ مجموعی صورت اختیار کرے گا کہ یہی عمل جاذب رحمت اور دافع بلا کا ذریعہ ہو جائے گا۔ درود و سلام خدا' فرشتوں اور مومنین کے تجھ پر۔ تجھ سے زیادہ امت کے لئے بے قرار کون ہو سکتا ہے۔ تجھ سے زیادہ رحمت عالم کون ہو سکتا ہے۔ تجھ سے زیادہ نیاز مندی کون کر سکتا ہے۔ جب تیری رضا شامل حال ہو' تو ارادہ اور خلوص کے چند قدم آگے ہی عمل کے دروازے خود بخود ایک خوبصورت منظر کی طرح کھلتے چلے جاتے ہیں۔ ادھر تیرے بندے کی زبان سے تیرا حکم لوگوں تک پہنچا اور اِدھر آمنّا وصدّقنا۔ یقین والے' ضعیف الاعتقاد' اور مُنکر' سب کے سب تیرے نام کے تصرف سے اپنی نیاز مندی پیش کرنے کے لئے کمربستہ ہو گئے۔ مالدار' متوسط' غریب' سب ایک صف میں آراستہ ہو گئے۔ ساری اونچ نیچ مٹ گئی۔ روپیہ فراہم کرنے کا جہاد عجب شان بے نیازی سے ہوا۔ ایک فرد نے ہی تمام اخراجات اٹھانے کا کفیل بننا چاہا اور تیرا بندہ تیری رحمت کے احسان سے سربہ سجود تھا۔ لیکن جماعت کی شرکت برکت کے لئے ضروری تھی اس لئے ایک ایک پیسہ بھی آنکھوں سے لگا کر قبول کیا گیا اس میں اندھے معذوروں نے، مزدوروں اور غریبوں نے' عورتوں اور بچوں' جوانوں' بوڑھوں نے' آرزومندی سے اپنی اپنی رقمیں پیش کیں۔ ہر قوم اور ہر طبقہ کے انسانوں نے اس عظیم کام میں شرکت کو اپنی سعادت سمجھا۔

کچھ شاندار مثالیں ایسی بھی ہوئی کہ اپنے گھر سے سب کچھ دے ڈالا یہاں تک کہ جہیز کے زیور بیچ کر بھی اپنے خلوص کی نذر پیش کر دی۔ اور خوبی یہ کہ سب کچھ اس طرح ہوا جیسے کہ کسی کلدار مشین کو چلا دیا گیا ہو کہ یہ کام صرف چند انسانوں کی کوشش سے مختصر عرصہ میں خاطر خواہ طور پر پورا ہوا۔ اور غالباً صرف دو سو تین سو آدمیوں نے ہی اس آواز پر لبیک کہی۔ لیکن یہ ان کے دل کا خلُوص' ان کے ایمان کی روشنی' ان کی حیا کی چادر تھی' جس نے ہزاروں کے عیبوں کو ڈھانک لیا۔ اتنا ضرور ہوا کہ اس روپیہ جمع کرنے کی مہم اور نیاز کے انتظامات میں اچھا بُرا ایسا چھان کر علیحدہ کر دیا گیا کہ جیسے کہ حق کی چھلنی سے ایمان اور ظُلمت چھان کر علیحدہ کر لی جاتی ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ اسی قسم کے مواقع پر ہی کھرے کھوٹے کی تمیز ہوتی ہے اور ایسے ایسے نقشے نظر آتے ہیں کہ انسان میں اپنی بے بضاعتی' اپنی کوتاہی' اپنی کم نظری اور کا احساس ہوتا ہے' اور اسے صاف نظر آنے لگتا ہے کہ کس لئے اللہ نے لوگوں کے دلوں کا حال جاننے والی ذات صرف اپنی ذات کو کہا ہے۔

روپیہ فراہم کرنے‘ اجناس خریدنے‘ کھانا پکوانے اور تقسیم کرنے کے سلسلہ میں لوگوں نے ایسے انہماک سے کام کیا کہ کبھی اپنے ذاتی کام میں بھی اتنی ذمہ داری محسوس نہ کی تھی۔ آخر وہ کونسا جذبہ تھا جس نے ذاتی آرام چُھڑا کر انہماک کار عطا کیا۔ اجتماعی ذمہ داری بھی عجب کیفیت کا مظہر ہوتی ہے۔ سب ہی لیڈر‘ سب ہی خادم‘ سب ہی مُخلص‘ سب ہی صادق۔ نہ عمر کی کمی زیادتی‘ نہ اقتصادی اونچ نیچ‘ نہ عِلم و کم عِلمی کا فرق‘ نہ بُزرگی کی تقدیس‘ سب کے سب ایک ہی گھاٹ‘ سب کے سب ایک ہی صف میں حضوری دل سے رجوع اِلاّ اللہ۔ یہ ہوتی ہے جماعت کی برکت‘ یہ ہوتی ہے عملِ صالح کی برکت۔ اس میں انفرادی پہلو کا شائبہ تک نہیں رہتا۔ ایسے لوگ مئے وحدت سے سرشار ہوتے ہیں‘ اور مقامِ احدیّت میں ہوتے ہیں‘ آپس میں بھی اور اپنے رَبّ کے حضور میں بھی۔ ۱۳ دسمبر ۶۱ء بدھ کی صبح سے دُنبے کٹنے شروع ہوئے‘ مذبح کا اس وقت کھولدیا جانا بھی امداد غیبی سے ممکن ہوا تھا۔ اور یہ امداد غیبی تو تمام نیاز کے دوران میں ہر کام‘ ہر قدم‘ ہر خیال ہر عمل پر شامل حال تھی۔ شام تک مذبح کا یہ عالم تھا کہ بُقعہء نور‘ کسی نے کبھی اس کا تصوّر بھی کیا ہے کہ مذبح بھی بقعہء نور ہو سکتا ہے۔ حقیقت یہ تھی کہ صف در صف پاکیزگی سے گوشت رکھا ہوا اس کا ظاہری ثبوت تھا۔ قصابوں کے چہرہ پر دمک اسکی نشانی تھی۔ تمام کارکنان کی پیشانی کی بشاشت اس بات کی دلیل تھی۔ خود قصابوں کا کہنا ہے کہ ہم نے بارہا قربانیاں کی ہیں لیکن نذر کے لئے یہ کام کرنا تائید غیبی سے متاثر ہو کر ممکن ہو سکا ہے۔ وگرنہ اس عظیم کام کے کرنے کی ہمّت نہ پڑتی۔ یہ ہوتی ہے نیاز کے جانوروں کی اہمیت‘ یہ ہوتی ہے قلب مومن کی کیفیت۔ یہ چھری اٹھا کر جانور کو حلال کرنا خود اپنی جانوں کو حلال کرنا ہوتا ہے۔ خود اپنی صداقتِ ایمان سے نذر میں شامل ہونا ہوتا ہے۔ سُنّت خلیل اللہ کی تکمیل کوئی آسان کام نہیں۔

۱۴ دسمبر ۶۱ء جمعرات کی صبح سے جناح پارک میں نیاز پکانے کا کام شروع ہوا۔ قناعتیں‘ شامیانے اور چھولداری شام تک لگا دیئے گئے۔ بجلی کی روشنی کا انتظام کر دیا گیا۔ میونسپلٹی کی پانی کی گاڑی سے پانی پہنچانے کا سامان کر دیا گیا۔ یہ اور پانی کی بہم رسانی ۱۴ دسمبر کی صبح سے لے کر تمام دن اور تمام رات جاری رہی۔ یہ پانی کا انتظام بھی بذاتِ خود ایک مہم تھی وگرنہ وہاں دور دور پانی نہ تھا۔ اور پھر اس مقدار میں جس کی کہ ضرورت تھی۔ بظاہر یہ بھی ناممکن یا سخت دُشوار بات تھی۔ مگر واہ رے بے نیازی کہ جب رحمت کے چشمے سے ننھے اسماعیلؑ کو پانی دے سکتا ہے تو یہ چشمہ تو تا قیامت خشک ہونے والا نہ تھا۔ یہ تو اللہ کی سُنت جاریہ تھی۔ پھر اس بار بھی یوں کیسے نہ ہوتا کہ جیسے پانی کے چشمے جاری کر دیئے گئے ہوں۔ اگر پانی کی بہم رسانی کا سلسلہ ٹوٹتا تو وقت پر نیاز تیار ہونا ناممکن ہو جاتا۔ پانی لانے میں رکاوٹیں ضرور پڑیں۔ آخر بی بی ہاجرہ کی سُنّت ادا ہونی تھی۔ اس لئے یہاں بھی یہ ہوا ہے کہ تقریباً ایک ایک گھنٹہ گاڑی اپنے بوجھ کی وجہ سے جناح پارک کی نرم گیلی زمین میں دھنس دھنس گئی اور صورتِ حال یہ ہو گئی کہ اس کا نکالنا ناممکن سا نظر آنے لگا۔ لیکن فضل ربی‘ تائید غیبی دونوں بار شامل حال رہی۔ اور بہ ظاہر سخت دُشواری کسی نہ کسی طرح دُور ہو گئی اور پانی کا سلسلہ ٹوٹنے نہ پایا۔ یہ رکاوٹوں کا آنا اور خود بخود ہٹ جانا‘ کچھ ایسا ہی سماں ہوتا ہے جیسا کہ اندھیرا چھٹ کر روشنی آئے‘ باطل ہٹ کر حق آجائے اور یہ بین نشانی اس بات کی ہوتی ہے کہ تائید غیبی شامل حال ہے۔ پھر خود دیکھو اس کام کی برکت اور اہمیت جس میں خود حق کی رحمت کے دریا کی روانی میں‘ ہمارا وجود یا مشاہیر اور آمرین تک کا وجود ایک کشتی کی طرح ہوتا ہے کہ خود دریا کی رو اسے بہا کر لئے جا رہی ہے۔ کشتی والوں کو یہ کہنے کا حق کب حاصل ہوتا ہے کہ انکی

کوشش سے کشتی چل رہی ہے۔ اور یہ تو ایک فضول بات ہو گی کہ کشتی کے اندر جو مخلوق ہے کہے کہ وہ دریا چلا رہی ہے۔ اپنے نفس کے خول میں بند کشتی آنکھ دیکھ بھی کیا سکتی ہے، لیکن جنکی نگاہ میں وُسعت ہے، جو اس نظارہ کو باہر سے دیکھتے ہیں وہ بحرِ حق مرضیءِ حق کے سوا کچھ نہیں دیکھتے۔

۱۴ دسمبر کی رات بھی ایک اہم رات تھی۔ اسکی اہمیّت وہ جانے، جو نیاز بے نیاز کی اہمیت سمجھتا ہو۔ یہ سر دھڑ کی بازی ہوتی ہے۔ اور اپنے سر دھڑ کی ہوتی تو خیر تھی۔ یہ تو مٹھی بھر جماعت کے سر دھڑ کی بازی تھی۔ یہ اُمّت کے مستقبل کی بازی تھی۔ یہ ایک ڈوبی کشتی کو ترانے کی بازی تھی۔ یہ اُمّت کے جذام سے گلے ہوئے جسم اور ہڈیوں میں پھر سے جان آنے کی بازی تھی۔ یہ تو ایسا ہی دشوار کام تھا جو پیرانِ پیر کو کرنا پڑا تھا اور محی الدین کہلائے۔ پھر اس عظیم کام میں روح محی الدینؒ کیسے شامل حال نہ ہوتی۔ یوں جناح پارک کے دو مختلف کونوں میں اسی شام دو مجذوب یہ کہتے پائے گئے کہ سب کچھ بے کار کر رہے ہیں۔ سب مرینگے۔ سب تباہ ہوں گے نوشتہءِ تقدیر نہیں بدلتا عذابِ الٰہی ضرور آئے گا۔

کون سمجھ سکتا ہے اسکا حال جو رحمت پر امید باندھے بیٹھا ہو۔ کون گن سکتا ہے اس کے نازک دل کی دھڑکنیں۔ کون دیکھ سکتا ہے کانٹے کی نوک پر شبنم کے قطرہ کی بے تابی۔ یہ تو وہ وقت ہوتا ہے کہ پیغمبرؑ بھی کانپ اٹھتے ہیں پکار اٹھتے ہیں کہ اللہ کی مدد کب آئے گی۔ یہ تو وہ وقت ہوتا ہے کہ رات بھر سجدۂ نیاز مندی ہوتا ہے۔ ناامیدی کے سمندر میں امید کے نازک تار باندھے جاتے ہیں۔ جلال کی آگ کو عجز کے آنسوئوں سے بجھایا جاتا ہے۔ یہ شب بدر ہوتی ہے، شب عاشورہ، شب طوفانِ نوحؑ، ہر چیز ساکت، ہر سانس ذاکر۔

ادھر پس پردہ یہ منظر معبود کی بارگاہ میں عبد مکمل عبدیّت میں عفو و درگزر کا طالب، رحم و کرم کا جویا، روٹھے کو منانے کی مہم میں سرگرداں ادھر سربام یہ منظر کہ ہزاروں کے لئے کھانا پکنے کی مہم درپیش۔ نہ انتظام کا کسی کو تجربہ نہ کسی میں صلاحیت۔ مگر اپنوں کی ایک چھوٹی سی جماعت حاضری کے لئے تعینات۔ ان کے لئے یہ موجودگی ایک تقریب، ایک جشن، ایک فرض۔ خوشنصیب ہوتے ہیں ساتھی، کہ انکی صداقت یہ قبول ہو جاتی ہے۔ نہ انکے لئے عمل اور بے عملی کا حساب کتاب، نہ تقدیس و تکذیب کا عذاب ثواب۔ وہ تو ایک چادر کے سائے میں ہوتے ہیں۔ عشق کا جام پیئے، دنیا و مافیہا سے ماوراء۔ کرتا وہی ہے جسے کہتے ہیں کہ غیب میں ہے۔ اور ہوتا وہی ہے جسے کہتے ہیں کہ تائید غیبی سے ہو رہا ہے۔

بیانِ نیاز، رحمتوں کا نزول

جمعرات کے دن سے تمام شام اور شام رات نیاز پکتی رہی۔ وہ قطار در قطار دیگوں کی ترتیب اور باورچیوں کا مسلسل انہماکِ کار، جیسے ایک مہم سر کرنا تھی۔ وقت اور انسانی کوشش کی دوڑ شانہ بہ شانہ جاری تھی۔ سچ ہے جماعت کی برکت بھی عجب چیز ہے۔ باورچی، ماشکی، مسالچی، منتظم، سب کے سب ایک ہی سلسلہ میں بندھے ہوئے۔ رات کے دو بجے ہی سماں دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا۔ گرم دیگوں سے نکلتے ہوئے بخارات اور چولھوں سے دھوئیں کی آڑ میں باورچی ایسے نظر آتے تھے گویا کہ کسی دوسری دنیا سے آئے ہوئے فرشتے۔ تمام دن اور تمام شام کام کر چکنے کے بعد دو بجے رات بھی انکے بازو ایسے تیزی سے دیگ چلانے میں لگے تھے، جیسا کہ تازہ دم انسانوں کے منتظمین میں سے کچھ نے تقریباً تمام رات اپنے پیروں پر کھڑے اور چلتے

گذاری تھی اور کچھ ایک جگہ بیٹھے جشن کی رات منا رہے تھے۔ اٹکی و بستگی کے لئے ایک قلندر خدا جانے کہاں سے آوارد ہو گئے تھے۔ فرماتے تھے' پنڈی سے ریل سے اتر کر آیا ہوں' اور راستہ بھول کر اِدھر آ گیا ہوں۔ رات بھر محفل گرم رکھی۔ لوگ جاگتے رہے اور جاگتے لوگوں کے سہارے باورچی اپنے کام میں تمام رات بغیر آرام کئے منہمک رہے۔ یہ قلندر دُعا کے وقت تک موجود تھے۔ پھر یکایک غائب۔ بغیر اطلاع کے جیسے آئے تھے' ویسے ہی روانہ ہو گئے۔ جس خیمہ سے دُعا پڑھی جا رہی تھی اس میں ہزاروں کے مجمع میں خدا جانے کیسے پہنچ گئے تھے۔ ان کا تمام طرز بتاتا تھا کہ کہ کوئی صاحب خدمت ہونگے۔

رات گزری، نور کا تڑکا ہوا۔ رحمتوں کا نزول شروع ہوا۔ پہلی نشانی یہ کہ ایک سفید ریش بزرگ سفید لباس میں ملبوس پو پھٹتے ہی کھانا پکنے کا منظر دیکھنے آئے تھے اور قناتوں کے دروازے پر کھڑے کھڑے رہ کر واپس چلے گئے تھے۔ ایسا معلوم ہوا کہ حق خود اپنے لئے انتظام دیکھنے' اپنے بندوں کی محبّت میں انہی کا ساروپ لے کر تشریف لائے تھے۔ مرغانِ سحری رب کی حمد میں نغمہ سرا ہوئے۔ اذان کی صدائے اللہ اکبر بلند ہوئی اور قادری علم ایک درخت پر بلند کر دیا گیا۔

علم کا بلند ہونا معمولی بات نہیں ہوا کرتی۔ یہ حکم سے ہوا کرتا ہے اور حکم کیا ہے؟ کُن فَیَکُونْ۔ اسی کی برکت سے رحمتوں کی چادریں طبق در طبق کھلنے لگیں' تاریکی کے پردے ہٹنے لگے' اور انوارِ رحمت کا مشرق سے لے کر مغرب تک نزول ہونا شروع ہوا۔ جو درخت کل تک ایک معمولی درخت تھا' اب اس علم کی برکت سے شجر مبارکہ 'زیتونہ' لاشرقیہ ولاغربیہ بن گیا تھا۔ ایسا کہ جس کی مثال اس وقت صفحہء ہستی پر کہیں بھی موجود نہ تھی۔ یہ ہوتا ہے علم کا بلند کیا جانا۔ علم بلند ہوتے ہی ملائکہ 'اجنا شہدا' مجاہدین کے شانہ بہ شانہ صف آرا ہو جایا کرتے ہیں۔ انسان گروہ در گروہ' قبیلہ در قبیلہ اس علم کے سایہ میں آنا شروع ہو جاتے ہیں۔ پاک رُوحیں اور اولیائے کرام کی ارواحِ مقدّسہ اسی عَلم کے سایہ میں آن کھڑی ہوتی ہیں۔ قادری عَلم کا بلند ہونا اور قادری چادر کا اُوپر پھیلا ہونا' پھر انکے سایہ کی مشرق سے لیکر مغرب تک وُسعت تو وہی دیکھ سکتے ہیں جنکی باطن کی آنکھ کھلی ہو۔ ظاہر بیں آنکھوں سے صرف تائید نظر آ سکتی ہے۔ ماحول کی دلکشی سے' موسم کی سازگاری سے' لوگوں کے خلوص اور دیانت اور شوق سے' ہزاروں کے مجمع میں ترتیب و تنظیم قائم رہنے سے' اور کھانے اور نیاز میں برکت سے۔ یہ اور اسی قسم کی متعدد تائیدیں اس بات کا ثبوت بن جایا کرتی ہیں کہ باطن میں اس واقعہ کی کیا اہمیت ہے۔

دمِ سحر قلعہ بالاحصّار اور اس کے دامن میں جناح پارک میں نیاز کی جگہ کا جن آنکھوں نے نظارہ دیکھا وہ گواہی دے سکتی ہیں کہ اس نظارہ میں کیا دلکشی تھی' کیا کیف تھا' کیا نشانی تھی۔ بارش کا نہ صرف امکان بلکہ خطرہ تھا۔ لیکن صبح سویرے' خورشید نے اپنے مسکراتے چہرے سے ضُوافشانی کی اور لوگوں نے خلوص کے ساتھ ترتیب سے کھانا کھلانے کے لئے فرش آراستہ کرنے شروع کر دئے۔ گویا کہ نماز کی تیاری ہوتی ہو یا جشن کا اہتمام ہوتا ہو۔ مختصر سی جماعت نے دریاں کاندھوں پر اٹھا اٹھا کر پھیلانا شروع کر دیں۔ نہ اپنے کپڑوں کا خیال نہ پوزیشن کا' نہ اس بات کا کہ کون مُنتظم بن کر

حکم دے' اور کون کارکُن بنے' سب ہی منتظم' سب ہی کارکن' نیت جو سبکی ایک تھی۔ ارادہ جو سب کا بلند تھا۔ ترتیب و تنظیم کا یہ منظر کہ ساڑھے آٹھ بجے باوردی پولیس کے لوگ آپہنچے جو دروازوں' قناتوں اور ریلوے لائین کی کھلی طرف جگہ جگہ تعینات کر دئے گئے اور 9 بجے تک اندرونی انتظام اور تقسیم کے لئے سول ڈیفنس کے لوگ وردیوں میں اور بہت سے والینٹر کارکن بیج لگائے ترتیب اور قرینے سے اپنی اپنی ڈیوٹیوں پر ایستادہ ہوگئے۔ لائوڈ اسپیکر والے چھوٹے خیمے کے قریب ایک شامیانہ کارکُنان اور منتظمین کے لئے نصب تھا جس سے کنٹرول ہیڈ کوارٹر کا کام لیا گیا۔

کھانے اور نیاز کی تقسیم کی یہ خوبی کہ نہایت عمدہ چاول' اصلی گھی دُنبہ کے گوشت اور میوہ میں پکائے گئے۔ اور صبح صبح کچھ دیگیں دارالمساکین' دارالیتمیٰ اور پاگل خانے بھیج دی گئیں' اور کچھ مختلف مزارات اور مستند مجذوبین کے پاس۔ قید خانے کے حاکم اعلیٰ نے ناعاقبت اندیشی سے نیاز کے کھانے کا قید خانہ میں لایا جانا ممنوع قرار دیا۔ اُمّت کے کام میں رکاوٹ کا وہ ذمہ دار ہوا یا پھر وہ صاحب خدمت جس نے اپنے تصرف سے اس دنیاوی حاکم کو ایسا کرنے پر لاشعوری طور پر مجبور کیا۔ یا پھر دونوں۔

تقریباً 9 بجے دوردتاج کے مختصر وِرد کے ساتھ ساتھ لائوڈ اسپیکر کے ذریعہ جناح پارک سے نیاز میں شرکت کے لئے صلائے عام دی جانے لگی اور ایک لائوڈ اسپیکر ٹانگہ میں گشت پر روانہ ہوگیا کہ نیاز کی اطلاع لوگوں کو کرے۔ یوں دو ایک دن قبل مقامی اخباروں اور ریڈیو سے مقامی خبروں میں اس کی نشرواشاعت کی جاچکی تھی۔ جناح پارک کا مشرقی دروازہ لوگوں کے اندر آنے کے لئے کھول دیا گیا اور نیاز کھانے والوں کی آمد شروع ہوئی۔ لوگوں کو قرینے سے صف بستہ دریوں پر بٹھایا گیا۔ اور کارکنان نے ایک لائن بنا کر کھانے کی قابیں کھانے والوں تک پہنچانا شروع کیں۔ ایک کل دار مشین کی طرح یہ عمل جاری ہوگیا۔

مگر جیسے ہی پہلی صف کے آگے کھانا رکھا گیا دُور جناح پارک سے باہر ریلوے کے قریب بجلی کے کھمبے میں ایک زبردست شعلہ نکلا۔ یہ نشانی تھی باہر باطل قوتوں کی موجودگی کی۔ مگر ان کی بے بسی ظاہر تھی۔ 9 بجے اس بجلی کے خراب ہونے کا اثر اس وقت پڑا جب دُعا کے لئے لائوڈ اسپیکر کی ضرورت پڑی۔ مگر تائید غیبی سے گشت پر گیا ہوا لائوڈ اسپیکر عین وقت پر آپہنچا اور دُعا وقت پر کی جاسکی۔

کھانا شروع ہوا۔ یہ بھی عجب پُر لُطف نظارہ تھا۔ دل فرطِ خوشی سے اچھل رہا تھا۔ وہ نیاز جس کی تیاری کئی دن سے تھی یوں رحمتوں کے سایہ میں جاری تھی۔ ایک لُولے لنگڑے' ٹیڑی آنکھوں والے بھی پہلے ریلے میں جناح پارک میں آئے۔ مگر کوئی کھانے کی فرمائش کرتا تو بھاگتے۔ روپیہ پیسہ دیتا تو بھاگتے۔ بالآخر لوگوں نے انکا پیچھا چھوڑ دیا۔ اور تمام نیاز کے دوران میں شامیانے کے قریب بیٹھے رہے۔ نیاز کے دوران ایک سفید کتا اس خطہ پر پایا گیا۔ یہ بیشتر وقت ایک جگہ موجود رہا۔ اور ایک بھورا اور ایک سیاہ جو تھوڑی دیر کے لئے کسی کے ساتھ آئے تھے۔ اس کھلی جگہ میں عام کتوں کا لنگر خانے یا کھانے کی جگہ یا پارک کے کسی حصہ میں نہ ہونا عجب بات ضرور تھی اور زیادہ عجب بات یہ تھی کہ مکھی کا نہ نام نہ نشان۔ سنا ہے حضرت صابرؒ تشریف فرما تھے اور یہ کرم ان سے مانگا گیا تھا کیونکہ کلیر شریف میں میلے کے دوران میں خاص علاقے میں مکھی کا نام نشان تک نہیں ہوتا۔

نیاز کا کھانا لگاتار کھلایا جاتا رہا۔ نہ آنے والوں کا تانتا ٹوٹا نہ کھلانے والوں کی ترتیب' نہ کھانے کی مقدار۔ عجب ہوتی ہے برکت کی شان۔ جو کھانا آٹھ دس ہزار لوگوں کے لئے پکایا گیا تھا چودھ پندرہ ہزار نے کھایا بھی اور ساتھ بھی باندھ باندھ کر لے گئے۔ مگر واہ رے شانِ کرم کہ جو آیا وہ بغیر انتظار کے کھاتا گیا۔ ہر قسم کے لوگ کھانا کھانے آئے بُڈھے' جوان' بچے عورتیں' پھٹے پرانے کپڑوں والے' اور سفید پوش بھی اور آخر میں تو رحمت کا یہ عالم کہ پڑھے لکھے لوگ کاروں میں اور بیرونی سفارت خانوں کے لوگ معہ اپنے خاندانوں کے آئے۔ یہ نظارہ پشاور کی تاریخ میں کسی نے کب دیکھا تھا۔ تعجب بھی تھا' حیرت بھی اور دلچسپی بھی۔ یہ ہوتی ہے رحمت کہ لوگ جوق در جوق آتے ہیں تماشہ دیکھنے اور خود تماشہ بن جاتے ہیں۔ برکتوں اور رحمتوں کے زیر اثر یہ بھی ہوا کہ لوگ منتیں کر کے تھوڑے چاول تبرکاً گھر لے جانے لگے گویا کہ نیاز ایک متبرکّ تقریب تھی۔ اور نیاز کا کھانا دافعِ بلا و وباء و قحط و مرض و الم۔

اللہ اللہ دل سے دعا نکل جائے تو ہر مادی چیز میں بھی سما جاتی ہے۔ اللہ کے نام بسم اللہ سے کوئی چیز شروع کی جائے تو برکت کے دروازے کھل جاتے ہیں۔ کوئی بسم اللہ کہہ کر کے تو دیکھے۔ یہ بسم اللہ تو اسم اللہ سے منسلک کرا دیتی ہے۔ اور لفظ اللہ نقش کو نقاش سے' صفات کو ذات سے' عبد کو معبود سے جوڑ دیتی ہے۔ بسم اللہ کہہ کر بندہ خود اس اللہ بن جاتا ہے۔ عارف باللہ کی بسم اللہ تو کُن ہوا کرتی ہے اس بسم اللہ کی برکت اور کشائش سے دل ہل جاتا ہے اور انسان دائمی تشکر میں اپنے کو دائمی سجود و عبودیّت میں پاتا ہے۔

اور یہ تو جماعت کی عبودیّت' جماعت کے عمل کی برکت تھی۔ خلُوص عمل ہی کا نام تو برکت ہے۔ چنانچہ عبد صالح جو عمل کرتے ہیں اس میں حکمت الٰہی عمل کرتی ہے اور برکتوں کا نزول ہوتا ہے۔ اسی کا اثر تھا کہ روپیہ دینے والے انتظام کرنے والے' کام کرنے والے' کھانا کھانے والے سب کے سب شکر گذار تھے کہ شرکت کی سعادت نصیب ہوئی۔ جماعت اور حق کی شرکت' ہاتھ میں ہاتھ آنے کی بات ہے۔ جب ہاتھ میں ہاتھ آ گیا' تو اپنے بس کی بات نہیں ہوتی بلکہ اس کی مرضی پر عمل ہوتا ہے۔ اور اندرونِ قلب گواہی دیتا ہے کہ یہ کام کروایا جا رہا ہے میں خود نہیں کر رہا۔ اس میں سو فیصدی عمل بھی ہوتا ہے اور توکل بھی۔ یہ تو دو بتّی ایک لو والی بات ہوتی ہے۔ ہاتھ میں ہاتھ ہو' لو سے لو' لگی ہو' تو ساری چیزیں خود بخود ہوتی ہیں۔

سوچ کر ایک قدم بھی نہیں اٹھانا ہوتا۔ پتّہ پتّہ دم ساز ہوتا ہے۔ ایمان' محبّت' عجز اور خلوصِ عمل ہو تو رحمت کے در کھل جاتے ہیں' خدائی ساتھ ہوتی ہے۔ اس لئے کہ جوشِ عمل ہی میں تو ایمان کا ظہور ہے اور ایمان محبّت کا نام ہے۔ عاشق مجبور ہوتا ہے مطمعِ نظر کی صرف والہانہ بڑھنے سے اور اس کی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ جو ہوتا ہے سو ہوتا ہے۔ یہ ہے توکل الی اللہ کا راز پھر ایسے پر برکتیں نازل کیسے نہ ہوں۔ ایسے پر فضل کے دروازے کشادہ کیسے نہ ہوں۔ جب جماعت میں خلوصِ عمل آ جائے تو پھر فیض اور برکت کے چشمے پھوٹنے لگتے ہیں اور اس یک رنگی کے عالم میں حق خود ہی مختلف روپوں میں آشکار' خود نظارہ ساز' اور خود تماشہ ہوتا ہے۔

نیاز کے دوران خدا جانے کس کس رُوپ میں کون کون آیا۔ اور پھر کیسے نہ آتے' یہ تو کون و مکان میں ایک ارتعاش پیدا کر دینے والی تقریب تھی۔ رُوحیں متاثر کیسے نہ ہوتیں' جب کہ خود قدرت متاثر تھی' جبکہ نوشتہء تقدیر بدلے جانے کے سامان کئے جا رہے تھے۔ جبکہ امّت کو سرِ بازار لا کر کھڑا کر دیا گیا تھا۔ جبکہ وہ امّت بھی موجود تھی جو پیران محی الدینؒ نے زندہ کی تھی۔ امّت کے مشاہیر' امّت کے درمیان موجود تھے۔ امت کا سردار خود امّت کی صف میں آن ملا تھا۔ اس نظارہ سے تو ارض و سماو کونین لرزہ براندام تھے۔ امّت اور امّت کے سردار کا فریادی ہونا معمولی بات نہیں ہوتی۔ عرش ہل جاتا ہے' فرشتے کانپ اٹھتے ہیں' جبرئیل بے قراری سے اس فریاد کی پیام رسانی کرتے ہیں' دعائوں کے ایلچی بنتے ہیں۔

دُعا

بارہ بجے دُعا کا وقت بھی آ پہنچا۔ بارہ بجنے سے دس منٹ قبل اّمت نے بہ آواز بلند درود و سلام کے بعد السلامُ علیک یا رسُول اللہ۔ السلامُ علیک یا رسُول اللہ۔ اسلامُ علیک یَارَسُول اللہ بار بار کہنا شروع کیا۔ پھر بہ صَد منّت وزاری بہ صَد تَضَرُّع' رحمتِ عالم کو پکارنا شروع کیا۔ یا رحمۃ لِّلعالمین' سیہ روز' سیہ بخت' فریادی زیر آسمان نالہ کناں تھے۔ آنسوئوں کی جھڑیاں بندھی تھیں۔ رحمتِ عالم کو پکارنے تھے' اور جسم و جان کانپتے تھے۔ دل تو دل' زمین سے تا عرش لرزہ تھا۔ خود رحمت عالم کا امّت کے لئے بے قراری کا اندازہ وہی لگا سکتا ہے' جسے وَمَا اَرسَلنٰکَ اِلّا رَحمَۃ لِّلعَالَمِین کے معنی آتے ہوں۔ جسکی سمجھ میں معراج کا نکتہ آ گیا ہو۔ پھر ایسے میں رحمت عالم کا اُمّت کے ساتھ ہونا تعجب کی بات نہ تھی اور یہ نیاز تو رحمت عالم کے حکم سے ہی کی گئی تھی۔ لوگو! اندازہ لگائو اس وقت کا جب پکارنے والی اُمّت کے ساتھ اُمّت کا راعی بھی شامل ہو جائے' اور ابر گاہ الٰہی میں دُعا کی جا رہی ہو کہ اُمّت کے دن پھیر دے' گناہوں کو نہ دیکھ' خطائوں کو در گزر کر' اپنے محبوبؐ کے صدقے میں اُمّت کی لاج رکھ۔ ارحمنا' ارحمنا' ارحمنا۔ جب کون و مکان ہلا دیئے جائیں' جب عرشِ اعظم کے پائے ہل جائیں' جب فرشتے' انبیاء اور ارواحِ مقدّسہ بے قرار ہو جائیں تو ارحم الرّاحمین کیسے نہ رحمت کا وعدہ کرے۔ نوشتہ تقدیر کیونکر نہ بدلے۔

نوشتہ تقدیر بدلا تو قلوب اور ماحول پر اس کا اثر کیوں نہ پڑتا۔ دلوں پر شادمانی کامرانی سُرخروئی کی کیفیت' شگفتہ چہروں پر سکون کی نشانی' نیاز کی جگہ سے تمام سامان کا ترتیب سے اٹھنا اور ہر چیز کے اختتام پر ہلکی ہلکی پھوار'

سُبحَانَ اللہ وَالحَمدُ لِلّٰہِ

کُلَّ یُومٍ ھُوَ فِی شَانٍ

کُلُّ مَن عَلَیہَا فَانٍ O

وَّیَبقٰی وَجہُ رَبِّکَ ذُوالجَلَالِ وَالاِکرَامِ O